رسائل و مسائل

جوازِ سود کے حق میں ایک روایت سے غلط استدلال

سوال: پراویڈنٹ فنڈ جو گورنمنٹ کاٹتی ہے اس پر فنڈ جمع کرانے والے کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے سود لے، چاہے نہ لے۔ اسی طرح سیونگ سرٹیفکیٹ کا معاملہ ہے۔ مجھے ایک عالم نے فرمایا ہے کہ حکومت اپنی جانب سے کچھ دینا چاہے، خواہ وہ سود کے نام سے ہو یا نہ ہو، اور اس کی مقدار مقرر ہو یا نہ ہو، اس کا لے لینا جائز ہے اور وہ سود نہیں ہے۔ انہوں نے ایک حدیث بیان فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوے کے وقت ایک اونٹ کے بدلے دو اونٹ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس سے یہ اجتہاد کیا جا سکتا ہے کہ گورنمنٹ اگر چاہے تو بوقتِ ضرورت اپنی طرف سے کچھ زائد رقم لوٹانے کے وعدے پر لوگوں سے روپیہ لے سکتی ہے۔ اس طرح جو زائد روپیہ دیا جاتا ہے، وہ جائز ہے۔ حوالہ طلب کرنے پر انہوں نے بلوغ المرام، کتاب البیوع، باب الربٰو کی ایک حدیث کی نشان دہی کی ہے جو درج ذیل ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص بیان کرتے ہیں ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرہ ان یجھز جیشا فنفدت الابل فامرہ ان یاخذ علی قلائص الصدقۃ قال فکنت اٰخذ البعیر بالبعیرین (رواہ الحاکم والبیہقی ورجالہ ثقات)۔

براہ کرم آپ اس حدیث پر، نیز اس سے عالم موصوف کے استنباط پر روشنی ڈالیں اور بتائیں کہ بیان کردہ مسئلہ درست ہے یا نہیں۔

جواب: آپ کی نقل کردہ حدیث سے اگر کسی عالم صاحب نے وہی استدلال فرمایا ہے جو آپ کے سوال میں مذکور ہے تو اس سے اتفاق ممکن نہیں ہے۔ یہ استدلال چند در چند خامیوں اور غلط فہمیوں پر مشتمل ہے۔ حدیث کا اگر محتاط لفظی ترجمہ کیا جائے تو یوں ہوگا: "حضرت عمروؓ بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک لڑائی کا ساز و سامان تیار کرنے کا حکم دیا۔ پھر اونٹ ختم ہو گئے تو آنحضورؐ نے حکم دیا کہ زکوٰۃ کی اونٹنیوں کے عوض میں اونٹ حاصل کیے جائیں پس میں دو اونٹوں کے بدلے میں ایک اونٹ لیتا تھا، تا آنکہ زکوٰۃ کے اونٹ آ جائیں۔"

امر اوّل جو قابلِ توجہ ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضورؐ نے خود یہ شرط مقرر یا تسلیم فرمائی تھی کہ ایک اونٹ کے عوض میں دو ملیں گے۔ یہ حضرت عمرو کا اپنا قول ہے جس کے بارے میں صراحت موجود نہیں کہ آنحضورؐ کو اس کا علم تھا یا نہیں، اور آپ نے اسے برقرار رکھا یا نہیں، بلکہ خود حضرت عمرو کے بارے میں بھی یہ واضح نہیں کہ انہوں نے زکوٰۃ کے اونٹ فراہم ہو جانے کے بعد ایک اونٹ کے عوض میں دو اونٹ دیئے یا نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ روایت کے الفاظ سے صاف طور پر یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ بیع کا معاملہ تھا یا قرض کا۔ چنانچہ شارحین میں سے بعض نے اسے بیع کے مفہوم میں لیا ہے اور بعض نے قرض کے مفہوم میں، یعنی بعض کے نزدیک جانور خرید لیے گئے تھے اور ان کی قیمت کے عوض میں دوسرے جانور دیئے جانے تھے اور بعض کے نزدیک جانور قرض لیے گئے تھے۔

بلاشبہ صاحبِ بلوغ المرام نے اس حدیث کو بیہقی اور حاکم کے حوالے سے نقل کر کے فرمایا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن امام بیہقی و حاکم کی ہر روایت اس پائے کی نہیں ہے کہ مجرد ایک مجمل توثیق کے بل پر اسے بلا تردّد قبول کر لیا جائے، بالخصوص جبکہ اس کے متن میں ابہام و اشکال ہو اور اس کا مضمون احادیثِ صحیحہ و کثیرہ سے متعارض ہو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اپنی شرح مسک الختام میں اس روایت کے ضعف پر دلالت کرنے والے اقوال بھی نقل کیے ہیں اور اپنی رائے ان الفاظ میں دی ہے: "گویم وجہ ضعفِ حدیث ابن عمرو آنست کہ در بعضے ش

محمد ابن اسحاق است و در وے مقال است (میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے کمزور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ایک راوی محمد ابن اسحاق ہے، جس میں کلام کیا گیا ہے)۔

پھر اس حدیث کے الفاظ سے یا اس کے شارحین کے اقوال سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں کس غزوے کا ذکر کیا گیا ہے۔ سُود اور اس کے متعلقات کے متعلق قطعی اور تفصیلی احکام عہدِ نبوی کے اواخر میں دیئے گئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہو۔ اگر ایسا ہو تو ظاہر ہے کہ معاملے کی یہ صورت منسوخ قرار پائے گی۔

اس بارے میں آخری مگر خاص طور پر لائقِ توجہ بات یہ ہے کہ یہ حدیث حیوانات کے مبادلے اور لین دین سے متعلق ہے، جن کا معاملہ نقود و اجناس سے بالکل الگ اور مختلف ہے۔ حیوانات کی چونکہ کوئی متعین بازاری قیمت یا شرح نہیں ہے، انہیں ناپا اور تولا نہیں جاسکتا اور اپنی عمر، نسل، صلاحیت اور افادیت کے اعتبار سے ایک ہی نوع کے ایک جانور اور دوسرے جانور میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے، اس لیے خاص حیوانات کے معاملے میں شریعت کے احکام زیادہ سخت اور قطعی نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں فقہاء و محدثین کی آرا بھی مختلف ہیں کہ جب حیوانات کا دست بدست یا ادھار پر تبادلہ کیا جائے، یا جانور قرض دے کر جانور ہی قرض میں واپس لیا جائے تو آیا اس صورت میں تفاضل (یعنی کمی بیشی) جائز ہے یا نہیں۔ بعض کے نزدیک جانوروں کی تعداد اور عمر وغیرہ میں تفاضل کے باوجود اگر معاملہ بیع کا ہو اور دست بدست ہو تو جائز ہے، لیکن جانوروں کے بدلے میں جانوروں کا قرض پر لین دین جائز نہیں۔ اس مسلک کے حق میں ایک حدیث بلوغ المرام کے اسی باب میں موجود ہے کہ: عن سَمُرَةَ بن جُنْدُبٍ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃً۔ (حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ جانور کے بدلے جانور ادھار بیچا جائے)۔ اس مسلک کے قائلین کے نزدیک حضرت عمرو بن عاص والی روایت قابلِ حجت و استناد نہیں ہوسکتی کیونکہ جانور بیچ کر اگر اس کے بدلے میں جانور کا ادھار کرنا ممنوع ہے تو جانور قرض دے کر بعد میں جانور وصول کرنا کیسے جائز ہوگا؟ بعض فقہاء ایسے بھی ہیں

جو جانوروں کے مبادلے کو سرے سے سود ہی نہیں سمجھتے خواہ بیع کا معاملہ ہو یا قرض کا، اور بیع کی صورت میں ثمن ہاتھوں ہاتھ ملے یا ادھار رہے۔

لیکن آپ کو بھی اور جن عالم صاحب نے پراویڈنٹ فنڈ، سیونگ سرٹیفکیٹ دیا دیگر رقوم قرض، پر سود کو محض اس ایک ضعیف و مرجوح روایت کے بل پر حلال کرنے کی سعی فرمائی ہے، انہیں بھی یہ بات پھر ایک مرتبہ اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ تفاضُل کے جواز و عدمِ جواز کے جس اختلاف کا ذکر ابھی اُوپر ہُوا ہے، یہ نقدی یا سونے چاندی سے بہر حال متعلق نہیں ہے اس کا تعلق محض حیوانات یا کچھ دوسری اشیاء سے ہے۔ چودہ سو سال میں علمائے اُمت کا سلف سے خلف تک کامل اتفاق ہے کہ درہم و دینار اور روپے پیسے کے نقد یا قرض لین دین میں اضافہ و تفاضل کی پیشگی شرط قطعی سُود ہے اور حرام ہے۔ اس متفق علیہ مسلک کی بنیاد کتاب و سنّت کے نہایت صریح اور محکم نصوص پر قائم ہے۔ کوئی شخص کمزور سہاروں کے ساتھ اس بنیاد کو ہرگز منہدم یا متزلزل نہیں کر سکتا۔

(ع - ع)

افتراقِ امت اور فرقہ ناجیہ

سوال :- میں اس حدیث کے سلسلے میں رہنمائی کا طالب ہوں جو تہتر فرقوں سے متعلق ہے اور جس میں مذکور ہے کہ ایک فرقہ ناجی اور باقی دوزخی ہوں گے۔ کیا یہ حدیث صحیح و قوی ہے یا ضعیف و موضوع ہے۔

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو نجات پانے والا فرقہ کونسا ہے اور کیا اس کے ماسوا سارے فرقے کچھ نہ کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں ڈالے جائیں گے؟ بظاہر یہ بات بڑی پریشان کُن اور خوفناک ہے کہ اس امت کی اکثریت آگ کے عذاب سے محفوظ نہ رہے اور دوزخ کی مستحق قرار پائے۔

جواب :- افتراقِ امت سے متعلق جس حدیث کے بارے میں آپ نے دریافت کیا ہے

وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں تو موجود نہیں ہے، البتہ سنن ابی داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں آئی ہے ابوداؤد (کتاب السنہ) کی ایک روایت میں اس کے الفاظ یہ ہیں:

افترقت الیھود علی احدی او ثنتین وسبعین فرقۃ وتفرقت النصاری علی احدی او ثنتین وسبعین فرقۃ وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقۃ۔

دوسری روایت میں اتنا زائد ہے: ثنتان وسبعون فی النار وواحدۃ فی الجنۃ وھی الجماعۃ

ان کا ترجمہ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ۷۱ یا ۷۲ فرقے بنے اور میری امت کے ۷۳ فرقے ہونگے جن میں سے ۷۲ آگ میں ہونگے اور ایک جنت میں اور جنتی گروہ وہ ہے جو "الجماعۃ" ہے۔

ترمذی کی روایت میں الجماعۃ کے بجائے "ما انا علیہ واصحابی" کے الفاظ ہیں، یعنی وہ ملت جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔"

امام ترمذی نے اس حدیث کو "حسن غریب" قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ صحیح کے مرتبے کو نہیں پہنچتی۔ اس کا راوی منفرد ہے تاہم دیگر شرائط کے لحاظ سے یہ حسن یعنی حسن ظن اور اعتقاد کی مستحق ہے۔ محدثین کا کسی حدیث کو صحیح قرار نہ دینا ایک خاص فنی یا اصطلاحی مفہوم رکھتا ہے اس کا مطلب فقط یہ ہوتا ہے کہ اس کی سند صحت کے اعلیٰ ترین معیار پر پوری نہیں اترتی، لیکن اس سے اس حدیث کا ضعیف یا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔

جہاں تک اس حدیث کے متن کے پہلے حصے کا تعلق ہے اُس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ قرآن، حدیث اور لغتِ عرب میں کئی مثالیں ایسی موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ عربی میں ستر یا کچھ اوپر ستر کا عدد دراصل کثرتِ تعداد کے لیے ضرب المثل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اس سے متعین طریق پر کوئی گنتی مراد نہیں ہوتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مدعا یہ تھا کہ یہود و نصاریٰ میں بھی کچھ کم گروہ پیدا نہیں ہوئے لیکن تم ان سے بھی بازی لے جاؤ گے اور ظاہر ہے کہ جو امت آخری ہے اور قیامت تک قائم اور باقی رہنے والی ہے اُس میں اگر پہلی امتوں سے زائد فرقے پیدا ہوں تو یہ کوئی ناممکن یا عجیب بات نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ اتنے کثیر فرقوں کا وجود ہر زمانے میں ہوگا، بلکہ مراد

یہ ہے کہ فرقے بکثرت بنتے اور مٹتے رہیں گے۔

حدیث کے دوسرے حصہ کے بارے میں البتہ دو سوال پیدا ہو سکتے ہیں۔ایک یہ کہ وہ کونسا فرقہ ہے جسے جنت کی بشارت دی گئی ہے؟ دوسرا یہ کہ امت محمدیہ کا باقی حصہ اور بظاہر بہت بڑا حصہ اس بشارت کا مستحق کیوں نہ ہو گا؟ ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ جس فرقے کو حدیث میں جنتی قرار دیا گیا ہے اس کا اطلاق ان فرقوں میں سے کسی ایک فرقے کے ہر کس و ناکس پر کرنا صحیح نہیں ہے جو مخصوص اور معروف ناموں کے ساتھ اس زمانے میں موجود ہیں یا پہلے کسی زمانے میں موجود تھے۔ان میں سے کوئی بھی فرقہ اپنی امتیازی شان کے ساتھ عہد رسالت میں موجود نہ تھا کیونکہ اُس دَور سعادت میں وہ سیاسی، اجتہادی اور کلامی اختلافات رونما ہی نہ ہوئے تھے جو بعد میں فرقوں کی تخلیق کا موجب بنے۔اس لیے صحابہ کرام بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بارے میں بھی یہ کہنا بالکل بے محل معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان فرقوں یا گروہوں میں سے کسی خاص گروہ میں شامل تھے۔

میرا ناقص گمان یہ ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ جس جنتی گروہ کی نشان دہی فرمانِ نبوی میں کی گئی ہے اس میں امتِ محمدیہ کے ہر طبقے کے افراد شامل ہوں گے اور اس کی تشکیل و ترتیب قیامت کے روز ہو گی۔اُس جنتی گروہ کی متعین صفات حدیث میں بیان کر دی گئی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اس گروہ کے افراد اُس راستے پر مضبوطی سے گامزن رہیں گے جو نبیؐ اور اس کے اصحاب کا راستہ ہے (ما انا علیہ واصحابی)، اور جو اس نظامِ جماعت سے وابستہ رہیں گے یا اس کے قیام و بقا کے لیے کوشاں رہیں گے جسے الجماعۃ کا نام دیا گیا ہے اور قیامت تک جس کے غلبہ و وجود کی بشارت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم و عدل کی بنا پر حشر کے روز اس پوری امت میں سے چھانٹ چھانٹ کر اس جنتی گروہ کو مرتب فرمائے گا۔اسی گروہ میں اللہ کا نبی، اُس کے صحابہ اور اس امت کے سارے مخلصین، مصلحین اور صالحین ہوں گے، خواہ وہ دنیا میں حنفی یا شافعی یا مقلد یا غیر مقلد کہلاتے رہے ہوں، یا وہ مسلمانوں کے متعارف فرقوں میں سے کسی فرقے کی جانب منسوب نہ کیے گئے ہوں۔

ہر مومن کی دعا یہ ہونی چاہیے کہ اسے اللہ اس گروہ میں شمولیت کا شرف عطا فرمائے اور محمدؐ اور اس کے اصحاب و اتباع کی معیت نصیب فرمائے۔

یہ خیال کرنا بھی صحیح نہیں ہے کہ اگر ایک گروہ جنتی ہو اور ۷۱ یا ۷۲ گروہ دوزخی ہوں تو گویا اکثریت دوزخی ہوتی۔ فرض کیجیے کہ مسلمانوں کا سواد اعظم حق پر ہو اور بے شمار چھوٹے چھوٹے فرقے گمراہیوں کی بنیاد پر بنتے بگڑتے رہیں تو ان فرقوں کے افراد کی مجموعی تعداد سواد اعظم کے افراد کی تعداد سے بہت کم رہے گی۔ اس لیے محض فرقوں کے اعداد کو سامنے رکھ کر اکثریت و اقلیت کا فیصلہ کرنا بداہۃً غلط ہے۔ کروڑوں آدمیوں کی صحیح المسلک جماعت اگر ایک طرف ہو اور بہت سی گمراہ ٹکڑیاں دوسری طرف ہوں جن کی مجموعی تعداد چند لاکھ سے متجاوز نہ ہو، تو ظاہر ہے کہ نجات پانے والے اکثریت میں ہوں گے، نہ کہ اقلیت میں۔

ضروری گذارش

ترجمان القرآن کے خریدار حضرات سے ضروری التماس ہے کہ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں جو ان کے پتہ کی چٹ پر درج ہوتا ہے۔ ورنہ عدم تعمیل کی شکایت کا دفتر ذمہ دار نہ ہوگا۔

منیجر ترجمان القرآن لاہور